OPEN ACCESS: "*EPISTEMOLOGY*"
eISSN: 2663-5828;pISSN: 2519-6480
Vol.11 Issue 12 December 2022

عصر حاضر میں مذہبی تنازعات کے اہم محرکات کا تجزیہ

ANALYSIS OF THE KEY MOTIVES OF RELIGIOUS CONFLICTS IN CONTEMPORARY PERIOD

Dr. Jamil Akhtar
Assistant Professor, Urdu Encyclopedia of Islam, University of the Punjab, Lahore./ Post Doc. Fellow, University of Oxford, U.K.

Abstract: There are societies in which religion has a greater impact than others have, when it comes to political influence. Scholars can define the term religious conflict in different ways however, in all of them, the religious conflict is defined as a disagreement between two or more religious groups. The purpose of this article is to explain why religious conflicts arise and then become so intense that people start calling each other unfair and wrong. Even in some cases, people issue fatwas justifying the killing of anyone who disagrees with their point of view or does not think it is right. Because of pointing out these reasons, people will have a better understanding of them and will be able to avoid misunderstandings, and peace situation may improve as well across the world.

Keywords: *Conflict, Peace, Religion, Terrorism, Violence, War..*

ا) تعارف

مذہب کو ایک مستقل سیاسی قوت کی حیثیت حاصل ہے، تاہم، یہ قوت تمام معاشروں میں یکساں طور پر طاقتور نہیں ہے۔ یہ دو بنیادی متغیرات پر منحصر ہے: معاشرے کی مذہبی یکسانیت، اور مذہبی اور سیاسی اداروں کے درمیان علیحدگی۔ مذہبی یکسانیت اور ریاستی مذہبی تعلقات کے درمیان یہ تعامل معاشروں کے درمیان اور ان کے بیرونی اور اندرونی رویے پر مذہبی متغیرات کے اثرات کے لحاظ سے فرق کرنے کا ایک طریقہ کار پیش کرتا ہے۔ تاہم، یہ وقت کے ساتھ کسی معاشرے کی خارجہ پالیسی کے رویے میں تبدیلیوں کا اندازہ لگانے کا طریقہ کار پیش نہیں کرتا۔ کسی دی گئی ریاست کے متضاد رویے پر مذہبی عوامل کے اثرات کے حوالے سے اس تناظر کی پیشین گوئی کا خلاصہ ان تجاویز سے کیا جا سکتا ہے: (1) ریاستوں کے تصادم کے رویے پر مذہبی عوامل کا اثر معاشرے کی مذہبی یکسانیت اور ریاست کے سیاسی اداروں میں مذہب کے سرایت کے درمیان تعامل کا کردار ادا کرنا ہے، یعنی جب مذہبی طور پر زیادہ معاشرہ یکساں ہو اور اس کے مذہبی اور سیاسی ادارے جتنا زیادہ جڑے ہوئے ہوں، تب تنازعات میں ملوث ہونے کی سطح اتنی ہی زیادہ ہو گی۔ (2) ایک مرکزی ریاست اور اس کے سیاسی طور پر متعلقہ بین الاقوامی ماحول کے درمیان مذہبی مماثلت ریاست کے تنازعات کے رجحان پر منفی اثر ڈالتی ہے، یعنی فوکل ریاست اپنے اسٹریٹجک حوالہ گروپ کے اراکین سے جتنی زیادہ مماثلت رکھتی ہے، تنازعات میں اس کی شمولیت کی سطح اتنی ہی کم ہوتی ہے۔ (3) جب دو ریاستوں کے درمیان مذہبی مماثلت زیادہ ہو گی، تب ان کے درمیان تصادم کا امکان اتنا ہی کم ہو گا۔ (۴) مذہبی طور پر غیر مماثل ریاستوں کی نسبت، مذہبی طور پر مماثل ریاستوں کے درمیان تنازعات (i) مختصر، (ii) کم پر تشدد، اور (iii) ایک ہی معاہدے سے ختم ہونے والے ہوتے ہیں۔ (۵) ایک یا دونوں معاشروں میں مذہبی یکسانیت کی سطح جتنی زیادہ ہو گی، ان کے درمیان پھوٹ پڑنے کا امکان اتنا ہی زیادہ ہے۔

مذہبی تنازعات کے موضوع پر ہونے والا پہلا منظّم کام 1920 سے 1930 کی دہائی کے دوران رچرڈسن نے کیا، اور اس کا یہ کام اس کی وفات کے بعد 1960 میں شائع ہوا۔ اپنے اس کام میں رچرڈسن، 1820 سے 1929 کے درمیان ہونے والی 300 سے زیادہ جنگوں اور تنازعات کا تجزیہ کرتے ہوئے، اس نتیجے پر پہنچا کہ عمومی طور پر مذہب کا جنگ کے واقعات پر کوئی اہم اثر نہیں ہوتا ہے۔ ایک مذہب کا کسی دوسرے مذہب والوں کے خلاف مذہبی تفاوت اور تصادم کا ہو جانا اگر مذہبی بنیادوں پر ہے تو ایک ہی مذہب کے لوگ آپس میں کیوں لڑتے ہیں![1] چونکہ یہ اپنی نوعیت کا منفرد اور پہلا کام تھا جسے بعد میں تنقید کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ ۱۹۷ میں ہینڈرسن نے، رچرڈسن کے کام کو بنیاد بناتے

ہوئے، 1820 سے 1989 تک ہونے والی بین الاقوامی جنگوں میں مذہبی، لسانی، اور نسلی اثر کا مطالعہ کیا۔ وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ ایک ہی جیسا مذہب رکھنے والی ریاستوں کے مابین ہونے والی جنگیں، مختلف مذاہب کی حامل ریاستوں کے مابین ہونے والی جنگوں کی نسبت زیادہ تھیں۔[2] اس ریسرچ سے اس نظریہ کو تائید ملی کہ بین الاقوامی تنازعات میں "مذہب" کا کردار بھی اہمیت رکھتا ہے۔ سال ۲۰۰۶ میں گارٹز کے اور گلیڈش نے ۱۹۵۰ سے ۲۰۰۱ کے دوران ہونے والے بین الاقوامی تنازعات میں مذہب کے تعلق اور کردار کے حوالے سے ایک وسیع تجزیہ کیا جس کے بنیادی نتائج ہینڈرسن کے اہم نتائج جیسے ہی تھے۔[3] ماوز نے ۲۰۰۶ میں ۱۸۱۶ سے ۲۰۰۲ کے دوران ہونے والی بین الاقوامی جنگوں پر مذہب کے اثرات کا مطالعہ کیا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ مذہبی پولرائزیشن کا اس تصادم پر نمایاں اثر ہے، حالانکہ یہ اثر وقت کے ساتھ اور تنازعات کے مختلف اقدامات کے حوالے سے یکساں نہیں تھا۔[4] سال ۲۰۱۲ میں جانز اور ڈیوس نے اس کو جانچنے کے لیے کچھ مختلف نقطہ نظر استعمال کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ برطانوی، جمہوریت کے مقابلے میں آمریت کے خلاف طاقت کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں، اور یہ کہ وہ عیسائی کے مقابلے میں اسلامی دشمن کے خلاف طاقت کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔[5] چونکہ یہ ان کا ایک تجرباتی مطالعہ ہے جسے بہر حال بالعموم لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ سال ۲۰۱۲ میں ہینے کے مطالعہ سے ایک پیش رفت سامنے آئی۔ ہینے کا استدلال ہے کہ مذہب اور ریاست کے درمیان تعلق ریاست کے رویے پر ایک اہم اثر ڈالتا ہے۔ خاص طور پر، مذہبی اور ریاستی اداروں کے درمیان قریبی روابط بتاتے ہیں کہ جب ریاست کسی "سیکولر" دشمن کا مقابلہ کرتی ہے تو وہ مذہبی نظریات، اقدار اور علامتوں کو استعمال کر سکتی ہے یا استعمال کرنے کی طرف مائل ہو سکتی ہے۔[6]

۲) مذہبی تنازعہ کا معنی و مفہوم

مذہبی تنازعہ ایک اصطلاح ہے جسے سکالرز نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے۔ اگرچہ ان تعریفات کے الفاظ متنوع ہیں لیکن یہ سب تعریفات تنازعہ سے مراد، دو یا دو سے زیادہ مذہبی گروہوں کے درمیان اختلاف، کا معنی و مفہوم بیان کرتی ہیں۔ ہارمبی، مذہبی تنازعہ کی تعریف ایک ایسی صورت حال کے طور پر کرتا ہے جس میں ایک مذہب کے پیروکار دوسرے مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ شدید اختلاف یا بحث میں ملوث ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی صورت حال ہے جس میں خیالات، آراء، احساسات اور خواہشات کی مخالفت ہوتی ہے۔ اولیت اور اولوالے دونوں، مذہبی تنازعات کو وسائل، حیثیت اور طاقت کے قلیل دعوے، اور اقدار پر جدوجہد کے طور پر دیکھتے ہیں جس میں

مخالفین کا مقصد اپنے حریفوں کو بے اثر کرنا، زیر کرنا یا ختم کرنا ہوتا ہے۔[7] غیوتے کا کہنا ہے کہ جب دو یا دو سے زیادہ افراد، گروہ، کمیونٹیز یا قومیں کسی خاص قدر و قیمت والی چیز پر قبضہ یا غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتی ہیں، تو تنازعہ پیدا ہوتا ہے۔[8] نوولی نے اس بات پر زور دیا کہ مذہبی تنازعہ کا تصور تصورات، رویے، مظاہر اور رجحانات سے پیدا ہونے والے پُرامن عمل سے متصادم ہے۔[9] میال نے یہ بھی کہا کہ مذہبی تنازعات کا ظہور ایسی صورت حال ہو سکتا ہے جہاں ایسے شرکاء کے درمیان ایک واضح تضاد موجود ہو جو اس طرح کے تنازعات کے نتائج کو انتہائی اہم سمجھتے ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ میال اس حقیقت کو بیان کر رہا ہے کہ شک مذہبی تنازعہ کو ہوا دیتا ہے۔[10] گوٹن نے مذہبی تنازعہ کی ایک روایتی تعریف کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ جس میں دو یا دو سے زیادہ مذہبی پیروکار باہمی طور پر مخالفانہ کارروائی میں مشغول ہوتے ہیں اور اپنے مخالفین کو تباہ کرنے، زخمی کرنے، ناکام بنانے یا دوسری صورت میں کنٹرول کرنے کے لیے زبردستی کا رویہ استعمال کرتے ہیں۔[11] علیو مذہبی تنازعات کو "سماجی تعامل کے ایک عمل کے طور پر دیکھتا ہے جس میں وسائل، طاقت اور حیثیت، عقائد اور دیگر ترجیحات اور خواہشات کے دعوے پر جدوجہد شامل ہے"۔[12] اویشولا کے لیے مذہبی تنازعہ دو یا دو سے زیادہ افراد، برادریوں یا مذہبی گروہوں کے خیالات یا نقطہ نظر میں اختلاف، تنازعہ یا تضاد ہے۔[13] سعید کا کہنا ہے کہ اگر لوگوں کو چوٹ پہنچانے یا مارنے کے لیے جسمانی یا جذباتی طاقت کا استعمال کیا جائے تو اس وقت مذہبی تنازعہ پُر تشدد ہو جاتا ہے۔[14] گوتن کا کہنا ہے کہ انسانی تعامل میں ہر جگہ تنازعہ پایا جاتا ہے اور یہ خاندان یا گھر، کام کی جگہ، مختلف نسلی اور مذہبی گروہوں کے درمیان ہو سکتا ہے۔[15] آیانڈیلے کا کہنا ہے کہ مذہبی تنازعہ ایک عالمگیر رجحان ہے اور اگر اسے کم کرنے کے لیے بروقت مناسب اقدامات نہ کیے جائیں تو یہ تصادم اور تشدد کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔[16]

۳) تنازعہ کے عمومی اسباب

سوشیالوجی کے میدان میں تنازعہ کے اسباب کو درج ذیل مختلف اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے۔[17]

3.1) انفرادی فروق

خود پسندی، فخر، اور ایک شخص کی شناخت سے متعلق احساسات، آراء، یا خیالات کے بارے میں، نیز عادات اور احساسات میں فرق جو ناراضگی اور غصے کو فروغ دیتے ہیں اور جس سے تنازعات کے واقعات شروع ہوتے ہیں، قرآن نے سورۃ الناس کے آخر میں اس کی وضاحت کی ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

(مِن شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ. الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ. مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ.)[18]

ان آیات میں ایک ایسی خفی آواز/حرکت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو وسوسات ڈالنے کا سبب بنتی ہے، چاہے اس کا سبب انسان بنے یا شیطان۔ اسی طرح جب انسان اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنالیتا ہے یعنی وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ جو کچھ میں سوچتا ہوں بس وہی درست ہے باقی سب غلط تو ایسا شخص تنازعات کا دروازہ کھول دیتا ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

(أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلْمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمْعِهِ وَقَلْبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهْدِيهِ مِن بَعْدِ اللَّهِ أَفَلا تَذَكَّرُونَ.)[19]

یعنی انسان اپنی خواہشات کو اپنے اوپر اتنا حاوی کرلیتا ہے کہ ان کو خدا جیسی اہمیت دینے کے درجے پر لے جاتا ہے۔[20]

3.2) مختلف ثقافتی پس منظر

ہر فرد کی تشکیل اس کے خاندان اور معاشرے کے اندر ہوتی ہے، اور تمام معاشرتی اقدار ایک دوسرے کے برابر نہیں ہوتیں، اور ہر قبیلہ یا فرقہ کی ثقافت الگ ہوتی ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

(يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ.)[21]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں مختلف طرح کے اختلاف کا پایا جانا اللہ تعالیٰ کی فطرت ہے جس پر لوگوں کو پیدا کیا گیا ہے، اور یہ قدرتی حسن بھی ہے کیونکہ اگر باغ میں رنگارنگ پھول نہ ہوں تو دیکھنے والا جلد اکتا جائے جبکہ رنگارنگ پھول باغ کی خوبصورتی میں ہمیشہ اضافہ ہی کرتے ہیں۔ مگر بدقسمتی سے اکثر انسانوں نے اس اختلاف کو تنوع کی بجائے تنازعہ کی شکل دے دی۔

3.3) مفاداتی فروق

ہر گروہ کے دوسرے گروہوں یا افراد کے ساتھ مختلف مفادات وابستہ ہوتے ہیں، ان سب کا انحصار اپنی زندگی کی ضروریات پر ہوتا ہے، ان اختلافات کا تعلق معاشی، سیاسی، سماجی اور ثقافتی ہے۔ لہٰذا، ان میں سے کوئی بھی چیز تنازعہ کا سبب بن سکتی ہے۔

۴) مسلمانوں میں دینی تنازعہ کی وجوہات

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو اپنی قوم اور اس کے ارد گرد رہنے والوں کے لیے رحمت ہے، یہ اپنے ماننے

والوں سے اچھے اخلاق کے حامل ہونے کا مطالبہ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا، جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"انما بعثتُ لاتمم مکارم الاخلاق"[22] کہ مجھے صرف اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

مسلمانوں میں دینی تنازعہ کے اسباب کو سمجھنے سے مذہبی تنازعہ کے اہم اسباب سمجھنے میں مدد ملے گی، اس لیے ان کو پہلے بیان کیا جارہا ہے۔ مسلمانوں میں دینی تنازعہ کو سمجھنے کے لیے قرآنی تفسیر کی مثال بیان کی جاسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو سب سے بڑے معجزے قرآن کے ساتھ بھیجا، جو کہ آپ کی نبوت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔[23] قرآن کریم کی تفسیر رسول اللہ ﷺ کے زمانے ہی سے ظاہر ہوئی، صحابہ کرامؓ نے براہ راست نبی کریم ﷺ سے سوال کیا، کیونکہ صحابہ کرامؓ قرآن کے بعض معانی کو نہیں سمجھتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کے معانی کو سمجھنے کے لیے وہ سب ایک جیسی صلاحیت کے مالک نہ تھے۔ لیکن بہر حال قرآن کے معانی و مفاہم کی تفہیم کے لیے ان کے پاس چند ایک مصادر متعین تھے، جیسا کہ قرآن بذات خود، نبی اکرم ﷺ، اجتہاد یعنی قوت استنباط اور اسرائیلی روایات۔[24] جہاں تک تابعین کے دور میں تفسیر کا تعلق ہے تو مختلف شہروں میں علمی درسگاہیں قائم کی گئیں جن میں صحابہ کرامؓ بطورِ اساتذہ اور تابعین عظامؒ ان کے شاگرد تھے اور ان میں سے بعض مکاتب تفسیر کے لیے مشہور تھے اور صحابہ کرامؓ میں سے بہت سے مشہور مفسرین سے تابعین نے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ چنانچہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں ایک ایک مکتبہ تفسیر قائم ہوا اور تیسرا عراق میں، اور یہ تینوں مکاتب اس دور میں تفسیر کے مشہور ترین مکاتب تھے۔[25] اس کے بعد جوں جوں وقت گزرتا گیا، مسلمانوں کی فلسفیانہ اور سائنسی ثقافت کے اثرات، قرآن کریم کی تفسیر میں ظاہر ہوئے جس کی وجہ سے قرآنی آیات کی تفسیر میں اختلاف کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور جب لوگ یہ کہنا شروع ہوئے کہ انہوں نے قرآن کی اس آیت کا جو مفہوم سمجھا ہے بس وہی درست ہے باقی سب غلط تو پھر یہ اختلاف، تنازعہ کی شکل اختیار کر گیا اور امت مسلمہ فرقوں میں بٹتی چلی گئی۔[26] مسلمانوں کے مابین اس قسم کے تنازعہ کے درج ذیل اہم اسباب سامنے آتے ہیں:

4.1) طبیعتوں میں اختلاف

لوگوں کی طبیعتوں اور میلانات میں فرق ہوتا ہے اور عقل و فہم میں بھی فرق ہوتا ہے جسے سمجھنا ضروری ہے۔ اگر ایک شخص اپنی بات کو حتمی قرار دینے کی بجائے اسے اپنی رائے سے تعبیر کرے تو اس سے اختلاف کو تنازعہ

بنانے سے بچایا جا سکتا ہے اور ایسا کرنے سے شیطان کو بھی لوگوں کے درمیان اختلاف پیدا کرنے کا کم موقع ملے گا۔(27) ویسے بھی اپنی رائے کو صحیح اور دوسروں کی آراء کو غلط، حقیر اور باطل سمجھنے والا مخالفین کی حق بات کو بھی قبول نہیں کرے گا اگرچہ اس بات کا حق ہونا بہت واضح ہو۔ اس لیے نبی اکرم ﷺ نے خود کو فخراً غلطیوں، کوتاہیوں سے پاک صاف سمجھنے سے منع فرمایا ہے۔(28) اسی مفہوم کی ایک آیت سورت لقمان میں بھی ہے۔(29)

4.2) سرکشی اور حسد

کچھ لوگ اپنی اشیاء اور آراء کو دوسرے لوگوں کی اشیاء اور آراء سے بہتر اور زیادہ صحیح سمجھنے لگتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں، سرکشی اور حسد کی وجہ سے، غرور کرنے کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ اور پھر یہی سرکشی اور حسد نفرتوں، عداتوں اور تنازعات کا سبب بن جاتے ہیں۔ قرآن کریم (30) میں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی دو بیٹیوں اور بھائی کے ظلم اور حسد کی وجہ سے اپنے بھائی کے قتل کا قصہ بیان فرمایا اور راہزنی اور چوری کے احکام کا ذکر فرمایا تو اس کے فوراً بعد منافقین اور یہودیوں کا نبی اکرم ﷺ سے حسد کرنے کا معاملہ بیان فرمایا۔(31)

4.3) دوسروں کے بارے بدگمانی

جو لوگ دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرتے ہیں اور ان کے عمل میں خامیاں تلاش کرتے ہیں تو یہ چیز بھی تنازعہ کا سبب بنتی ہے کیونکہ بدگمانی انسان کو سیدھے راستے سے ہٹا دیتی ہے، فرمانِ الٰہی ہے:

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ) (32)

اسی لیے نبی اکرم ﷺ نے بھی دوسروں کے بارے میں بدگمانی کرنے سے منع فرمایا ہے۔(33)

۵) مذہبی تنازعہ کے اہم اسباب

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پچھلی کچھ دہائیوں سے عالمی سطح پر مذہبی تنازعات میں اضافہ ہوا ہے اور اس کے جو اسباب سامنے آئے ہیں، ان میں سے بعض اہم درج ذیل ہیں:

5.1) مذہبی شناخت کی بنیاد پر تنازعہ

سیاست اور تنازعات پر مذہبی شناخت کا اثر عام ہو گیا ہے۔ سیاسی یا معاشی مراعات کو تقسیم کرتے وقت، شناختی گروپس صف بندی کرتے ہیں، چاہے یہ گروپ بندی معاشی بنیادوں پر ہو یا، نسلی اور مذہبی، اور بہترین فوائد حاصل کرنے کے لیے ہاتھ ملاتے ہیں۔ مذہبی تنازعات کے حوالے سے، اگر تنازعہ کے فریقین مذہبی روایات کے مطابق خود

کو متعین کرتے ہیں تو کچھ لوگ اس تنازعہ کو مذہبی تصور کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فریقین کے مذہبی تشخص میں اختلافات کا تنازعہ شروع کرنے اور اسے برقرار رکھنے میں اس لحاظ سے بنیادی کردار ہے کہ مذہبی شناختیں ایک دوسرے سے متصادم ہیں، جو بذاتِ خود تنازعہ کی بنیادی وجوہات کو تشکیل دینے کے لیے کافی ہو سکتی ہیں۔ جدیدیت سے پہلے تک مذہب کو کسی فرد کا ذاتی مسئلہ نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ وہاں مذہب اکثر سماجی شناخت سے منسلک ہوتا تھا جس کے اثرات تاحال ہیں۔ لہٰذا، اگر تنازعہ مختلف مذاہب کے گروہوں کے درمیان ہو یا ایک ہی مذہبی عقیدہ کے مختلف گروہوں کے درمیان ہو، تو اسے مذہبی تنازعہ ہی سمجھا جاتا ہے چاہے تنازعات کے مسائل خالصتاً سیکولر مسائل (طاقت، وسائل، زمینیں، وغیرہ) ہوں۔ اس دلیل کو مذہبی شناخت پر لاگو کرنے والوں میں شاید سب سے نمایاں سیموئل ہنٹنگٹن ہیں۔ تہذیبیں تاریخ، زبان، ثقافت، روایات اور سب سے اہم مذہب کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہیں، جیسا کہ ہنٹنگٹن ان تہذیبوں کی مذہبی خطوط پر بڑی حد تک شناخت کرتا ہے۔(34) اس کے علاوہ، ہنٹنگٹن نے اس بات پر زور دیا کہ اگر بین الاقوامی سطح پر ہونے والے مذہبی تنازعات کو دیکھا جائے تو یہ تنازعات زیادہ تر اسلام اور غیر مسلموں کے درمیان واقع ہوئے ہیں جس کی بنیاد مذہبی شناخت ہی تھی۔

مذہب اور سیاسی تشدد کے امکانات کے درمیان تعلق کے مسئلے کو حل کرنے میں، روڈولف رومل نے ریاست میں مذہبی تکثیریت/مذہبی شناخت پر توجہ مرکوز کی۔ رومل نے نتیجہ اخذ کیا کہ کسی ملک میں مذہبی اقلیتوں کی جتنی زیادہ موجودگی ہوگی، تشدد کی گنجائش اتنی ہی زیادہ ہوگی۔(35) مارٹا رینل کورول نے نسلی اور مذہبی تقسیم کے درمیان تعلق اور خانہ جنگی کے امکانات کا جائزہ لے کر تنازعہ کے امکان کے مسئلے پر بھی توجہ دی۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ نسلی-مذہبی تقسیم کا کردار خانہ جنگیوں کے پھیلنے میں نسلی-لسانی تقسیم کے کردار سے زیادہ ہے۔ اس بات کی وضاحت کرنے کے لیے کہ تمام نسلی-مذہبی طور پر منقسم ریاستیں خانہ جنگی میں کیوں شامل نہیں ہیں، رینال کورول نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اجتماعی سیاسی نظام منقسم آبادیوں کے درمیان کشیدگی میں ثالثی کا کام کرتے ہیں۔ رینال کورول نے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا کہ مذہبی تقسیم اور پولرائزیشن تنازعات کی گنجائش کو بڑھاتی ہے۔(36) رومیل اور رینال کورول کی ریسرچ کے مطابق، تنازعات میں مذہبی جہت کی شناخت اس مذہب کے پیروکاروں کی مذہبی شناخت کے ذریعے ہوئی۔

نسلی تنازعات پر اپنے مطالعے میں، جوناتھن فاکس ایک تنازعہ کو اس وقت حتمی طور پر ایک مذہبی یا مذہبی نسلی تنازعہ سمجھتا ہے جب اس تنازعہ میں ملوث افراد کا تعلق مختلف مذاہب سے ہو۔(37) اگرچہ فاکس نے اس کے ساتھ ساتھ نسلی تنازعات کی غیر مذہبی وجوہات بھی بیان کی ہیں جیسا کہ علیحدگی پسندی، مظالم، ثقافتی اختلافات، سیاسی نظام،

جبر، بین الاقوامی فوجی مدد، سرحدوں کے پار تنازعات کا پھیلاؤ، وغیرہ۔[38] جہاں تک ان مذہبی مسائل کا تعلق ہے جن کے گرد تنازعہ گھومتا ہے جیسا کہ مذہبی شکایات، مذہبی مطالبات، مذہبی جواز، اور مذہبی ادارے وغیرہ، اگر وہ موجود ہیں، تو فاکس کا یہ کہنا ہے کہ یہ چیزیں تنازعہ کی نوعیت کا تعین نہیں کرتیں، بلکہ ان کے اثرات سے اپنی اہمیت حاصل کرتی ہیں۔ جب کسی بھی تنازعہ میں مذہب کے متغیرات زیادہ ہوں یعنی مذہب تنازعات کا ایک اہم جز بنے، اور اقلیت مذہبی مسائل اور مذہبی جواز پر اپنی شکایات کا اظہار کرے، تو سماجی، اقتصادی اور ثقافتی امتیاز کا امکان زیادہ ہو جاتا ہے، سیاسی رنجشیں زیادہ ہوتی جاتی ہیں، اور بغاوت اور خود غرضی کا مطالبہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ، فریق ثالث کی مداخلتوں میں تنازعہ کے فریقوں کی مذہبی شناخت پر توجہ مرکوز کرنا ضروری ہے۔ مختلف مذہبی گروہوں کے درمیان تنازعات، بین الاقوامی مداخلتوں کے لیے زیادہ پُرکشش ہیں۔ فاکس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ نسلی تنازعات میں زیادہ تر مداخلتیں مذہبی شناختی بنیادوں پر ہوتی ہیں، کیونکہ نسلی تنازعات میں 80 فیصد سے زیادہ ریاستی مداخلتیں ہمیشہ ان نسلوں کی طرف سے ہوتی ہیں جن کے ساتھ وہ ایک ہی مذہب کا اشتراک کرتے ہیں۔[39] سوزانا پیئرس، دنیا کے پانچ بڑے مذاہب میں ہونے والے تنازعات کی شدت کا موازنہ کرتے ہوئے، اس نتیجے پر پہنچی کہ مذہبی تنازعہ کی دو اہم وجوہات ہیں، مذہبی شناخت اور دیگر مسائل۔ موخر الذکر میں جہاں تنازعات کا اسباب کا ایک جال بچھا ہوتا ہے، تنازعہ کے مرکزی مسئلے کا پتہ لگانا مشکل ہے۔ اس کے برعکس اگر یہ تنازعہ دو مختلف مذاہب کے حامل گروہوں میں ہو تو اس کو بآسانی مذہبی شناخت کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے، چاہے وہ شناخت واضح طور پر تنازعہ سے متعلق ہوں یا نہ ہوں، اور چاہے اس سبب کے علاوہ دیگر اسباب موجود ہوں یا نہ ہوں۔[40] مونیکا توفت خانہ جنگی کو مذہبی خانہ جنگی سمجھتی ہے اگر اس میں درج ذیل دو شرائط میں سے کوئی ایک موجود ہو: (1) یا تو تنازعہ کرنے والے دونوں فریقین مختلف مذہبی شناخت رکھتے ہوں، یا (2) وہ ایک ہی مذہبی شناخت کے حامل ہوں، لیکن وہ معاشرے اور ریاست کے لیے اپنی مذہبی کردار کا مقابلہ کرتے ہوں۔[41]

5.2) نظریاتی بنیاد پر تنازعہ

وینٹز کا یہ کہنا ہے کہ انسان صرف ایک ایسی حیاتیاتی ہستی نہیں جو اپنے جسمانی افعال تک محدود رہے بلکہ انسان اپنے وجود کے حتمی معنی اور نظام کو سمجھنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ جو چیز انسانی حیاتیاتی وجود کو قابل قدر بناتی ہے وہ معنی اور حتمی ترتیب کا ادراک ہے، اور اس کا ایک ذریعہ مذہب ہے۔ مذہبی ہونے کا مطلب ان خیالات اور اعمال کا اشتراک ہے جو ہمیں اپنے حیاتیاتی وجود سے ماورا ہونے، اور معنی اور حتمی ترتیب کی تاریخ بتانے کی اجازت دیتے ہیں۔

اس منطق سے، زیادہ تر لوگ مذہبی تھے / ہیں۔[42] وینٹز اس مذہبیت کی اہمیت کو انسانی فطرت میں ایک بنیادی مظہر کے طور پر بیان کرنے کے لیے "دین کی دیواروں" کا استعارہ استعمال کرتا ہے۔ فاکس کا کہنا ہے کہ لوگ اپنے عقائد کے گرد دیواریں بناتے ہیں اور کسی بھی قیمت پر اپنی دیواروں کا دفاع کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ کسی فرد یا گروہ کے اعتقاد کے نظام کو ایک دفاعی ردّ عمل پر اکسایا جا سکتا ہے جو اکثر پُر تشدد ہوتا ہے۔[43] یہاں مراد یہ ہے کہ مذہبی عقیدہ کا نظام یا مذہب کی دیواروں کا دفاع تنازعات اور تناؤ کا سبب بنتا ہے۔ مثال کے طور پر جور جن میئر اور ہوفمین یہ دلیل دیتے ہیں کہ اس صدی میں دہشت گردی یا تشدد کا واحد بڑا جواز مذہب اور قوم پرستی ہے۔ لیکن قوم پرستی کی آمد سے پہلے، مذہب تشدد کا واحد جواز تھا۔[44] ہوفمین نے رپورٹ کیا کہ 2004 میں موجود دہشت گرد گروہوں میں سے تقریباً نصف (108 بین الاقوامی دہشت گرد تنظیموں میں سے 52 تنظیمیں) نے بتایا کہ ان کے مقاصد مذہبی تھے۔[45] ہوفمین نے ان دہشت گرد تنظیموں کی مذہبی یا نسلی قوم پرست کے طور پر جو درجہ بندی کی وہ بنیادی طور پر ان تنظیموں کے مقاصد پر مبنی تھی۔

وینٹز کے ذریعہ متعارف کرائے گئے مذہب کی دیواروں کا تصور اور فاکس کے مزید تجزیہ، مذہبی عقیدے کے نظام کو درپیش خطرات کے تصور میں معاون ہے۔ ایک انسان کا دوسروں سے نظریاتی بنیاد پر "مختلف" ہونا ہی ان دونوں کا ایک دوسرے کے لیے ایک ممکنہ خطرہ سمجھا جاتا ہے، قطع نظر اس کے کہ وہ ایک دوسرے کے لیے کوئی حقیقی خطرہ ہیں یا نہیں۔ لہٰذا، مذہبی علامتیں پہننے، مذہبی رسومات ادا کرنے، یا چار دیواری کے اندر رسومات ادا نہ کرنے کی وجہ سے تنازعات پیدا ہوتے ہیں، مثلاً گائے کی حد درجہ تعظیم کرنے والے ہندوؤں میں رہتے ہوئے ان کے سامنے گائے ذبح کرنا، یہودیوں اور مسلمانوں میں رہتے ہوئے ان کے سامنے سور کا گوشت کھانا، یا خواتین کا بعض سخت قوانین والے علاقوں میں سر پر اسکارف نہ پہننا۔ اس طرح کا تنازعہ، ریاست اور معاشرے کے لیے مذہب کے کردار، مذہبی اقلیتوں کے حقوق، یا مذہب تبدیل کرنے جیسے مسائل میں اختلاف کی وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔

تنازعہ کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے، تھامس سکاٹ نے مذہبی تنازعات کی اصطلاح استعمال کی جب اس نے مذہب کا نظریاتی طور پر حوالہ دیا۔ اس کے بقول مذہبی تنازعات نظریاتی تنازعہ کی ایک قسم ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ پیچیدہ۔ مذہب ایک ایسے نظریاتی اعتقاد کا نظام ہے جس میں داخلی اقدار شامل ہیں، جو اچھے اور بُرے کی وضاحت کرتی ہیں، اور اس مذہب کے پیروکار ان اقدار کی، ایک مطلق سچائی کے طور پر، حفاظت کرتے ہیں۔ ان اقدار کو ملحوظِ خاطر رکھنا دیگر مذاہب کے لوگوں کے لیے بھی ضروری ہوتا ہے۔ مذہب کی نظریاتی نوعیت دوسرے مذہبی عقائد کے

خلاف نفرت اور دشمنی پھیلا کر، اور موجودہ تنازعات کو مزید پیچیدہ بنا کر، تنازعات کے امکانات کو متاثر کرتی ہے، کیونکہ مذہبی نظریات علاقائی تنازعات اور اقتصادی تنازعات کے برعکس ناقابل تقسیم ہیں۔ ہر فریق کا یہی استدلال ہوتا ہے کہ برائی پر سمجھوتہ نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا دوسرا فریق "مخالف" نہیں بلکہ "کافر" ہے۔[46] سکاٹ کا یہ کہنا ہے کہ مذہب کو ایک نظریے کے طور پر دیکھنے نے ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ آیا کچھ ایسے مذاہب ہیں جو تشدد کا زیادہ شکار ہیں، یا مذاہب کے اندر کچھ ایسے نظریات ہیں جو انہیں پُر تشدد بنا دیتے ہیں۔ سکاٹ نے غور کیا کہ بعض مذاہب کی عالمگیر نوعیت تنازعات کی ایک وجہ ہو سکتی ہے۔ انہوں نے خاص طور پر چار مذاہب کا ذکر کیا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ان کا پیغام آفاقی ہے، یعنی اسلام، عیسائیت، بدھ مت اور یہودیت۔ سکاٹ نے مزید کہا کہ مذہبی تنازعات مذہبی متون کی پُر تشدد یا گمراہ کن انداز میں غلط تشریح کی وجہ سے نہیں بلکہ تمام عظیم عالمی مذاہب میں مقدسات کی دوغلی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ثقافت اور مذہب میں یہ دوغلا پن ہے، اور شروع ہی سے ثقافت اور مذہب نے تشدد پر تشدد ہی کے ذریعے غلبہ حاصل کیا۔[47]

شرما نے اس بات کو اجاگر کیا کہ مذہبی گروہوں کو چلانے کے محرکات تنازعات کا باعث ہیں، نہ کہ اپنے آپ میں مذہبی گروہوں کا وجود۔ اگرچہ شرما نے تسلیم کیا کہ نام نہاد مذہبی تنازعہ بنیادی طور پر سیاسی ہے اور اس کا مقصد طاقت کو دوبارہ ترتیب دینا ہے، یا طاقت کی تعمیر کے بارے میں اختلاف ہے، لیکن وہ اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ سماجی نظام کو تبدیل کرنے کی محرک قوت مذہبی طاقت ہے۔ دوسرے لفظوں میں، اس کے بقول، مذہبی گروہ اپنی خواہش کے مطابق سیاسی اداروں کو تبدیل کرنے کے لیے رسمی اور غیر رسمی کوششیں کرتے ہیں۔ دینی نظریہ خود سیاسی یا مذہبی تنازعہ کا باعث نہیں بن سکتا۔ یہ صرف اس وقت مذہبی یا سیاسی تنازعہ کا باعث بن سکتا ہے جب کوئی گروہ اقتدار کو کسی ایک خاص عقیدہ کے مطابق دوبارہ ترتیب دینا چاہتا ہو۔[48] شرما نے مذہبی نظریے کے تصور کو واضح کرتے ہوئے اپنا تجزیہ پیش کیا، جس میں زیادہ تر محققین تنازعات میں جانے سے گریز کرتے ہیں۔ شرما نے دعویٰ کیا کہ مذہبی نظریے سے مراد وہ اصول ہیں جو سماجی رویے کو کنڑول کرتے ہیں۔ اداروں کو اپنی خواہش کے مطابق دوبارہ ترتیب دینے کے لیے، مذہبی نظریاتی گروہوں کی سیاسی اجتماعی کاموں میں شرکت، مذہبی تنازعات کا سبب بنتی ہے، اور یہی کوششیں دوسرے مذہبی یا غیر مذہبی گروہوں کے ساتھ تصادم کا باعث بنتی ہیں جو موجودہ نظام کے تحفظ میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ شرما ایک منطقی نتیجہ کے ساتھ یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ مذہبی تنازعات "نظریاتی تنازعات" کے ساتھ بہت سی مشترکات رکھتے ہیں۔ مذہب، اگرچہ اپنے بنیادی اصولوں میں لبرل ازم اور مارکسزم سے مختلف ہے، لیکن

ان تحریکوں کے ساتھ یہ حقیقت مشترک ہے کہ یہ بنیادی اصولوں کا ایک نظام ہے، جس کا مطلب سماجی اور سیاسی اداروں کی تعمیر میں رہنمائی کرنا ہے۔ اس طرح، مذہب اور اس سے جنم لینے والے تنازعہ دونوں کی سیاسی نوعیت خود واضح ہو جاتی ہے۔ لہٰذا، اگرچہ مذہبی گروہوں کا ایجنڈا ایک سیاسی ایجنڈا ہے، لیکن نظریاتی نظام کے اصولوں سے پیدا ہونے والی تحریک کا محرک ہی تنازعات کی نوعیت کا تعین کرتا ہے اور اسے مذہبی بناتا ہے۔ شرما نے مذہبی تنازعات کے محرکات اور ان کے رونما ہونے کی کیفیت کا تجزیہ کرنے کو اہمیت دی، لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ مذہبی تنازعات کا حتمی مقصد سماجی نظام کو تبدیل کرنا ہے اور یہ کہ مذہبی تنازعات کا جوہر سیاسی ہے۔ شرما نے اس تجزیہ میں مذہبی تنازعہ نامی کسی بھی چیز کی گنجائش نہیں چھوڑی، اور صرف اس کو مذہبی تنازعہ کا نام دیا جس میں دونوں متنازعہ فریقین یا کم از کم دونوں میں سے ایک فریق مذہبی گروہ ہو۔ یہ ایک نظریاتی کشمکش ہے جو دوسرے نظریاتی تنازعات سے مختلف نہیں ہے۔ ایک محتاط معائنہ کار ان تنازعات میں سیاسی تحفظات، معاشی محرکات اور مقامی حالات کا کردار بھی دکھا سکتا ہے، جس کا محرک شرما نے مذہب کو قرار دیا۔ شرما کا سب سے اہم نقطہ یہ ہے کہ اس نے مذہب کی تعریف ان اصولوں کے طور پر کی ہے جو سماجی رویے کو کنٹرول کرتے ہیں۔ یہ ایک بہت وسیع تعریف ہے جو نظریات، سماجی فلسفوں، قوانین اور مذاہب کے درمیان تمام امتیازات کو ختم کرتی ہے۔

5.3) لاھوتی بنیاد پر تنازعہ

مذہبی تنازعات کے نظریاتی اصولوں کے محققین مقدس متون کی نوعیت (اور ان کی تشریح) پر اس تناظر سے توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ یہ متون اور ان کی تشریحات دنیا میں پھیلے ہوئے مذہبی تنازعات کا سبب ہیں۔ یعنی تشدد مذہب کا لازمی عنصر ہے اور مذہب کا تشدد سے گہرا تعلق ہے۔ اس کے علاوہ، مذہبی تنازعات کا ایک سبب مقدس مقامات بھی بنتا ہے جن کی تقدیس مابعد الطبیعاتی ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔

5.3.1) مقدس نصوص

جنگوں اور لڑائیوں کے محرک کے طور پر مذہب کے کردار کو اجاگر کرنے کے لیے، چند مذہبی روایات میں مذکور بنیادی تصورات کی من مانی تشریح پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے جس سے تشدد اور اس کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ ان تصورات میں سے ایک "مقدس جنگ" ہے۔ مانور نے لکھا ہے کہ بدھ مت جیسی پُرامن مذہبی روایت کو کچھ بدھ راہبوں نے سری لنکا میں ہندو تامل اقلیت کے خلاف سنہالی بدھ مت کی جنگ کا جواز فراہم کرنے کے لیے مقدس جنگ کے تصور کو استعمال کیا۔[49] چنانچہ یہ روایات مقدس جنگ کے تصور کو استعمال کرتی ہیں اور اس کے ماورائی نصوص کی مختلف

تشریحات کے ساتھ اس کا جواز پیش کرتی ہیں، یہ جواز یا محرکات براہ راست جنگ کا باعث بن سکتے ہیں۔ مارک جور جنز میئر نے "عالمی جنگ" کو، مذہبی جنگجو کے ذہن میں کیا ہوتا ہے اس کے تجزیہ میں، ایک بنیادی تصور کے طور پر متعارف کرایا ہے۔ جور جنز میئر نے یہ دلیل دی کہ تمام مذہبی روایات، خاص طور پر ان کے صحیفوں میں، اچھے اور بُرے کے درمیان لڑائیوں پر مشتمل کائناتی جنگ کی تصویر کشی کی خصوصیات ہیں۔ جور جنز میئر اپنی تحقیق میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ الٰہی جنگ کا فلسفہ مختلف مذہبی تحریکوں اور گروہوں کے پیش نظر، ایک ایسا میدان جنگ فراہم کرتا ہے جہاں اچھی طاقتوں کو اشتعال انگیز کر کے بُرائی کا مقابلہ کرنے کے لیے بلایا جاتا ہے۔ یہ جنگجو مومن ایک مقدس مقصد کے لیے لڑتے ہیں، اور تمام اعمال خدا کے نام پر کیے جاتے اور جائز ہوتے ہیں۔ مذہبی تنازعہ /جنگ، روحانی دنیا اور حقیقی دنیا کے درمیان پل کا مجسمہ بناتی ہے، اور انفرادی تصور اور حقیقی دنیا کو اچھے بمقابلہ برائی کے تصورات سے جوڑنے کا ذریعہ فراہم کرتی ہے۔ نیز مذہبی جنگ، حقیقی اور ذاتی مسائل اور مشکلات کو وسیع تر معاشرے سے جوڑتی ہے۔ جور جنز میئر کا یہ بھی استدلال ہے کہ مذہبی جنگ کے نتیجے میں ہونے والی دہشت گردی کی کارروائیاں اسٹریٹجک نہیں ہیں، اس لحاظ سے کہ ان کا مقصد ٹھوس اہداف کو حاصل کرنا ہے۔ بلکہ، یہ علامتی ہے، جس کا مقصد دہشت گردوں کے حامیوں/ممکنہ حامیوں کو جنگ کے وہ حقائق دکھانا ہے جو باقی دنیا دیکھتی یا سمجھتی نہیں۔[50]

اپنی کتاب (The Unholy War: Terrorism in the Name of Islam, 2002) میں جون ایسپوزیٹو نے قرآن، احادیث اور کلاسیکی فقہ کے حوالے سے روشنی ڈال کر اسلامی (مذہبی) جنگ کی تفہیم کی نشاندہی کی ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ جہاد کو سمجھنے کے لیے ہمیں حضرت محمد ﷺ اور قرآن سے آغاز کرنا چاہیے۔[51] ایسپوزیٹو نے مزید کہا کہ یہی اصول عیسائیت، یہودیت اور دنیا کے تمام عظیم مذاہب پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ یہودی اپنے عقیدے اور معاشرے کے دفاع کے لیے یوشع اور کنگ ڈیوڈ کی جنگیں لڑنے کے باب تلاش کرنے کے لیے عبرانی بائبل کو دیکھ سکتے ہیں۔ عیسائی مذہبی روایت میں ایک منصفانہ جنگی نظریہ بھی ہے جو جنگ کو جائز قرار دیتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے قرآن و سنت اس بارے میں رہنما اصول فراہم کرتے ہیں کہ دشمن، بدعنوانی اور ظلم سے کیسے لڑنا ہے۔[52] اس طرح، بہت سے مصنفین مختلف مذاہب میں موجود ان بنیاد پرستوں کا بھی اندازہ لگاتے ہیں جو مذہبی متون کا حوالہ دیتے ہیں، اور ان سخت تشریحات کو اپنے مذہب کو نشانہ بنانے والے کسی بھی خطرے کے خلاف پہلی رکاوٹ کے طور پر منتخب کرتے ہیں۔ لہٰذا، بعض ممالک میں مذہبی گروہ اپنی حکومتوں کے خلاف تنازعات میں حصہ لیتے ہیں، جس میں وہ حکومت پر سیکولرازم اور الحاد کا الزام لگاتے ہیں، اور ان کا مقصد یا تو حکومت کا تختہ الٹنا ہوتا ہے یا کم از

کم، مذہب کی قانونی حیثیت کو تبدیل کرنا۔ صحیفوں پر بھروسہ بتاتا ہے کہ مذہب تبدیل نہیں ہوتا، اور یہ کہ تنازعات کو صحیفوں کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ فاکس اور سندل کا کہنا ہے کہ اگر، مثال کے طور پر، عیسائیت میں اصلاحی دور کے دوران سیاسی تشدد کا تجزیہ کیا جائے، تو امکان ہے کہ عیسائی، مذہبی تشدد کی زیادہ تر کارروائیوں میں حصہ لیتے ہیں۔[53] ہر مذہب ایسے حالات بیان کرتا ہے جس میں اس مذہب کی روایات تشدد، جنگ یا مذہبی تنازعہ کی حمایت کرتی ہیں۔ مذہبی نظریاتی فریم ورک ہمیں مذہبی تنازعات کے بنیادی اصولوں کو سمجھنے میں مدد کر سکتا ہے، لیکن یہ ایسا فریم ورک فراہم نہیں کرتا جس کے اندر ہم حقیقت میں مقدس اور غیر مقدس جنگوں کے درمیان فرق کر سکیں؛ کیونکہ تمام جنگیں ان کے جنگجوؤں کی نظر میں مقدس ہیں۔

5.3.2) مقدس مقامات

مذہبی تنازعات کے اسباب میں سے ایک اہم سبب، مذہبی روایات میں مقدس مذہبی مقامات پر تنازعہ کا مسئلہ ہے۔ شاید کسی کو اس بات پر اعتراض نہ ہو کہ مقدس مقامات کا تنازعہ ایک مذہبی تنازعہ ہے، کیونکہ مندروں اور مزارات کے مقدس مقامات مذہبی گروہوں کے روحانی منظر نامے میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔ یہاں بدھ متوں اور ہندوؤں کے لیے مندر، مسلمانوں کے لیے مساجد، یہودیوں کے لیے عبادت گاہیں اور عیسائیوں کے لیے گرجا گھر مخصوص ہیں۔ پوری دنیا میں، مقدس مقامات یا زمین کی ملکیت، قبرستانوں، مندروں، گرجا گھروں، مساجد اور مقبروں کی بے حرمتی یا تباہی، یا خصوصی مقامات پر مذہبی رسومات کو آزادانہ طور پر انجام دینے کے مطالبات پر اکثر تنازعات پیدا ہوتے رہتے ہیں، جیسا کہ ہندوستان میں مندروں اور مساجد پر ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان تنازعہ، اسی طرح یروشلم میں مقدس مقامات پر یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان تنازعہ۔ مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے لیے تیسرا مقدس ترین مقام ہے جبکہ یہی پر جو ہیکل سلیمانی موجود ہے وہ یہودیوں کا قبلہ ہے جس کی طرف منہ کر کے وہ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی زیارت کرنا یہودی اپنا دینی فریضہ سمجھتے ہیں۔[54]

بعض اوقات سیاسی لیڈران اور رہنما بڑے بڑے مندروں کے قیام اور مزارات کی تعمیر کے لیے حاصل ہونے والی مالی اعانت کے ذریعے اپنی سیاسی پوزیشن کو مضبوط کرنے یا مخالفین کا راستہ روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ دوسری طرف یہ بھی مشاہدے میں آتا ہے کہ بعض اوقات، مقدس مقامات عوامی بغاوتوں، عسکریت پسندوں اور ان کے سازوسامان کے لیے محفوظ جگہ رہے ہیں۔ مقدس مقامات، منظّم احتجاج کے لیے ایک اہم فورم فراہم کرتے ہیں۔ وہ

دشمن کے خلاف متحرک ہونے کے مراکز اور بعض اوقات باغیوں کے لیے ایک قلعہ بنتے ہیں، اس لیے یہ بھی مذہبی تنازعات کے اسباب میں سے ایک اہم سبب ہیں۔

نتائج

اگرچہ مذہب اور نسل مترادف نہیں ہیں، لیکن وہ اکثر ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اس لیے نسلی تنازعات کے حوالے سے سٹیفن وولف کے ذریعے حاصل کیے گئے نتائج کو مذہبی تنازعات کے موضوع پر منطبق کرنا ممکن ہے۔ وولف اس نتیجے پر پہنچا کہ ضروری نہیں کہ نسلی تنازعات نسل کے گرد گھومتے ہوں بلکہ اس میں دیگر اسباب جیسا کہ زمین یا طاقت کا تنازعہ بھی شامل ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ تنازعات کو مذہبی قرار دینے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کر لینی چاہیے کہ اس میں کوئی اور اہم یا مخفی سبب تو نہیں، اور اگر ایسا کیا جائے تو بہت سے ایسے تنازعات جن کو مذہبی قرار دیا جارہا ہو گا وہ مذہبی نہیں رہیں گے بلکہ ان کے اس سے قوی دیگر اسباب سامنے آجائیں گے۔

حوالہ جات وحواشی

(1)لیوس فرائی رچرڈسن (.ed)، لیوس فرائی رچرڈسن کے جمع شدہ کاغذات (کیمبرج: کیمبرج یونیورسٹی پریس، 1995)۔

Lewis Fry Richardson (ed. P. Drazin et al.), The Collected Papers of Lewis Fry Richardson (Cambridge: Cambridge University Press, 1995).

(2)ایرول انتھونی ہینڈرسن۔ "ثقافت یا تسلسل: نسلی تنازعہ، ریاستوں کی مماثلت، اور بین ریاستی جنگ کا آغاز، 1820-1989۔" جرنل آف کنفلیکٹ ریزولوشن 41(1997):649-668۔

Errol Anthony Henderson. "Culture or Contiguity: Ethnic Conflict, the Similarity of States, and the Onset of Interstate War, 1820-1989." Journal of Conflict Resolution 41 (1997): 649-668.

(3)ایرک گارٹزکے اور کرسٹیان سکریڈ گلیڈش۔ "شناخت اور تنازعہ: تعلقات جو جوڑتے ہیں اور اختلافات جو تعلق توڑتے ہیں۔" یورپی جرنل آف انٹرنیشنل ریلیشنز 12.1(2006):53-87۔

Erik Gartzke and Kristian Skrede Gleditsch. "Identity and Conflict: Ties that Bind and Differences that Divide." European Journal of International Relations 12.1 (2006): 53-87.

(4) زیف معاذ۔ "نیٹ ورک پولرائزیشن، نیٹ ورک کا باہمی انحصار، اور بین الاقوامی تنازعہ، 1816-2002۔" جرنل آف پیس ریسرچ 43.4(2006):391-411۔

Zeev Maoz. "Network polarization, network interdependence, and international conflict, 1816–2002." Journal of Peace Research 43.4 (2006): 391-411.

(5) رابرٹ جانز، اور گریم اے ایم ڈیوس۔ "جمہوری امن یا تہذیبوں کا تصادم؟ ریاستوں کو نشانہ بنانا اور برطانیہ اور امریکہ میں جنگ کی حمایت۔" دی جرنل آف پولیٹکس 74.4(2012):1038-1052۔

Robert Johns, and Graeme AM Davies. "Democratic peace or clash of civilizations? Target states and support for war in Britain and the United States." The Journal of Politics 74.4 (2012): 1038-1052.

(6) پیٹر ایس ہینے۔ "قدیم آگ: مذہب اور خودکش دہشت گردی"۔ دہشت گردی اور سیاسی تشدد 24.1(2012):38-60۔

Peter S. Henne. "The Ancient Fire: Religion and Suicide Terrorism". Terrorism and Political Violence 24.1 (2012): 38–60.

(7) اے ایس ہورنبی۔ آکسفورڈ ایڈوانسڈ لرنرز ڈکشنری (آکسفورڈ: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2006)۔

A. S. Hornby. Oxford Advanced Learner’s Dictionary (Oxford: Oxford University Press, 2006).

(8) غیوثے اور اجینے۔ بینو ویلی میں تنازعات (مہوردی: سیلفرز بکس، 2006)۔

T. Gyuse and O. Ajene. Conflicts in the Benue Vally (Mahurdi: Selfers Books, 2006).

(9) اونولی (ed.)، نائیجیریا میں فرقہ وارانہ تنازعہ اور آبادی کی نقل مکانی: ایک تحقیقی رپورٹ (اینگو: سنیپ پریس لمیٹڈ 2003)۔

O. Nnoli (ed). Communal Conflict and Population Displacement in Nigeria: A Research Report (Enugu: Snaap Press Ltd. 2003).

[10] ایچ میال۔ امن ساز: تنازعات کا پُرامن حل (لندن: میک ملین پبلشرز، 1992)۔

H. Miall. The Peacemakers: Peaceful Settlement of Dispute (London: MacMillian Publishers, 1992).

[11] سی گوٹن۔ "امن اور انصاف کا تصور: نائجیریا کا تجربہ" جوس اسٹڈیز۔ (نائجیریا: فیب اینیہ (نائجیریا) لمیٹڈ، 2004)۔

C. Gotan. "The Concept of Peace and Justice: The Nigerian Experience." In Yaya, L. (ed). Jos Studies. (Nigeria: Fab Anieh (Nigeria) Limited, 2004).

[12] ایس ایس علیو۔ "سطح مرتفع میں نسلی مذہبی تنازعات کا سماجی تناظر۔" اتیایار اور گنڈو (eds.)۔ جوس میں امن پر مسلم/مسیحی مکالمہ (نائجیریا: بین الاقوامی مرکز برائے صنفی اور سماجی تحقیق، 2004)۔

S.S. Aliyu. "The socil Context of Ethno Religious Conflicts in Plateau." In Ityavyar and Gundu (eds). Muslim/Christian Dialogue on Peace in Jos (Nigeria: International Center for Gender and Social Research, 2004).

[13] ڈی اویشولا۔ تنازعات اور سیاق وسباق کا حل (نائجیریا: اوبافیمی اولوویونیورسٹی پریس لمیٹڑ، 2006)۔

D. Oyeshola. Conflict and Context Resolution (Nigeria: Obafemi Awolowo University Press Limiter, 2006).

[14] ایم ایچ سعید۔ "تشدد پر اسلامی نقطہ نظر۔" اتیایار اور گنڈو (eds.)۔ جوس میں امن پر مسلمانوں/عیسائیوں کا مکالمہ (نائجیریا: بین الاقوامی مرکز برائے صنفی اور سماجی تحقیق، 2004)۔

M.H. Sa'id. "The Islamic Perspective on Violence." In Ityavyar and Gundu (eds). Muslims/Christians Dialogue on Peace in Jos (Nigeria: International Cebter for Gender and Social Research, 2004).

[15] گوٹن۔ "امن اور انصاف کا تصور: نائجیریا کا تجربہ"۔

Gotan. "The Concept of Peace and Justice: The Nigerian Experience."

[16] ای اے آیانڈیلے۔ افریقی معاشرے پر بیرونی اثر: افریقی اپنی 19ویں اور 20ویں صدی میں (ایڈیٹرز: جوز، سی اور گاڈفری ای)، (عبادان: یونیورسٹی پریس، 1996)۔

E.A. Ayandele. External Influence on African Society: Africans in their 19th and 20th Centuries (edited by Jose, C and Godfrey E), (Ibadan: University Press, 1996).

(17)سوارجونو سوئکانتو- سوشیالوجی ایک تعارف (جکارتہ: پی ٹی راجہ گرافینڈو پرساڈا، 2007)

Soerjono Soekanto, Sosiologi Suatu Pengantar (Jakarta: PT Raja Grafindo Persada, 2007).

(18)سورۃ الناس: 4-6

Surah Al-Nās: 4-6

(19)سورۃ الجاثیہ: ۲۳

Surah Al-Jāthiyah: 23

(20)محمود بن عمر والزمخشری، الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل (بیروت: مکتبہ دار الکتاب العربی، 1407)۔

Mahmud bin Amr al-Zumakhsharī, Al-Kashshāf an Haqāiq Ghwāmiz al-Tanzī l (Beirut: Maktaba Dār al-Kitāb al-Arabī , 1407).

(21)سورۃ الحجرات: ۱۳

Surat al-Hujurāt: 13

(22)احمد بن حسین البیہقی، السنن الکبری (بیروت: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۳)، ج ۱۰، ص ۳۲۳، ح ۲۰۷۸۲۔

Aḥmad bin Hussain al-Bayhaqī , Sunan al-Kubra (Beirut: Dār al-Kitāb al-Ilmiyyah, 2003), vol. 10, p. 323, H. 20782.

(23)محمد شہرور، معاصر القرآن ہرمینیٹکس کے اصول اور مبادیات، المترجم: سھیرا (یوکیاکرتا: الساق للطباعۃ، 2002)، ۲۴۲۔

Muhammad Shahrour, Prinsip Dan Dasar Hermeunitika Al-Quran Kontemporer al-Mutarjam, Sahira (Yukyakarta: Al-Saq Printing, 2002) 242.

(24)محمد حسین الذہبی، التفسیر والمفسرون (قاہرہ: دار الحدیث، 2005)، ص ۳۷۔

Muhammad Hussain Al-Zahbī , al-Tafsī r wal-Mufassirun (Cairo: Dār al-Hādī th, 2005), p.37.

(25)الذہبی، التفسیر والمفسرون، ص ۹۲۔

Al-Zahbī , al-Tafsī r wal-Mufassirun, p.92.

(26)سالم بن عبید الأشحي، المسند الجامع (مکتبہ شاملہ معاصر)، جلد ۶، ص 154۔

Salim bin Ubayd al-Ashjai, Al-Musnad al-Jama'i, (Maktaba Shamila New Edition), vol. 6, p. 154.

(27)ابن جریر الطبری، جامع البیان فی تأویل القرآن (بیروت: دار الفکر، 2000)، ص77۔

Ibn Jarir al-Tabarī , Jami al-Bayan fi Taweel al-Qur'ān (Beirut: Dār al-Fikr, 2000), p. 77.

(28)الطبری، جامع البیان، ص540۔

Al-Tabarī , Jami al-Bayan, p. 540.

(29)سورۃ لقمان: ۱۸

Surah Luqmān: 18

(30)سورۃ المائدہ: ۴۵-۴۸

Surah Al-Mā'idah: 45-48

(31)محمد علی الصابونی، صفوۃ التفاسیر (قاہرہ: دار الصابونی للطباعۃ والنشر والتوزیع، 1997)، ص۳۱۶۔

Muhammad Ali al-Sābounī , Safwa al-Tafsī r (Cairo: Dār al-Sābouni for Publishing and Distribution, 1997), p. 316.

(32)سورۃ الحجرات: ۱۲

Surat al-Hujurāt: 12

(33)مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم (بیروت: دار إحیاء التراث العربی، ۱۹۸۵)، ج۴، ص۱۹۸۵، ح۲۵۶۳۔

Muslim bin al-Hajjaj, Sahih Muslim (Beirut: Dār Ihya al-Turath al-Arabi, 1985), vol. 4, p. 1985, H. 2563.

(34)سیموئل پی. ہنٹنگٹن۔ تہذیبوں کا تصادم اور عالمی نظام کی تشکیل نو (نیویارک: سائمن اینڈ شوسٹر، 1996)، ص ۴۵-۴۸۔

Samuel P. Huntington. The Clash of Civilizations and the Remaking of World Order (New York: Simon and Schuster, 1996), pp.45-48.

[35] رومل آر۔ "کیا اجتماعی تشدد کا سماجی تکثیریت سے تعلق ہے؟" جرنل آف پیس ریسرچ 34.2 (1997): 163-175۔

Rummel, R. “Is collective violence Correlated with Social Pluralism?” Journal of Peace Research 34.2 (1997): 163-175.

[36] ایم رینل. کیرول۔ "نسلیت، سیاسی نظام، اور خانہ جنگیاں۔" جرنل آف کنفلیکٹ ریزولوشن 46.1 (2002): 40-42۔

M. Reynal-Querol. "Ethnicity, Political Systems, and Civil Wars." Journal of Conflict Resolution 46.1 (2002): 40-42.

[37] جے. فاکس۔ مذہب، تہذیب اور خانہ جنگی: 1945 نئے ملینیم کے ذریعے (لینہم، ایم ڈی: لیکسنگٹن کتب، ۲۰۰۴)، ص ۳۱۔

J. Fox. Religion, Civilization and Civil War: 1945 Through the New Millennium (Lanham, MD: Lexington Books, 2004), 31.

[38] مصدر سابق، ص ۷۷-۷۹۔

Ibid, 77-79.

[39] مصدر سابق، ص ۲۸۔

Ibid, 28.

[40] ایس. پیئرس۔ "مذہبی غصہ: مذہبی تنازعات کی شدت کا ایک مقداری تجزیہ۔" دہشت گردی اور سیاسی تشدد 17.3 (2005): 340-341۔

S. Pearce. "Religious Rage: A Quantitative Analysis of the Intensity of Religious Conflicts." Terrorism and Political Violence 17.3 (2005): 340-341.

[41] ایم ڈی. ٹوفٹ۔ "مذہب کا حصول؟ اسلام اور خانہ جنگی کا حیران کن معاملہ۔" بین الاقوامی سلامتی 31.4 (2007): 97–131۔

M. D. Toft. "Getting Religion? The Puzzling Case of Islam and Civil War." International Security 31.4 (2007): 97–131.

(42)آر. وینٹز۔ لوگ مذہب کے نام پر بُرے کام کیوں کرتے ہیں (جارجیا: مرسر یونیورسٹی پریس، 1987)، 13۔

R. Wentz. Why people do bad things in the name of religion (Georgia: Mercer University Press, 1987), 13.

(43)فاکس۔ مذہب، تہذیب اور خانہ جنگی، ص ۱۹۔

Fox. Religion, Civilization and Civil War, 19.

(44)مصدر سابق، ص ۲۵۔

Ibid, 25.

(45)بی. ہافمین۔ دہشت گردی کے اندر (نیویارک: کولمبیا یونیورسٹی پریس، 2006)، 86۔

B. Hoffman. Inside Terrorism (New York: Columbia University Press, 2006), 86.

(46)سکاٹ ایم. تھامس۔ "مذہب اور بین الاقوامی تنازعہ۔" ڈارک ک. (ایڈیٹر)، مذہب اور بین الاقوامی تعلقات (بیسنگ اسٹاک: میک ملن، ۲۰۰۰)، ۱-۲۔

Scott M. Thomas. "Religion and International Conflict." In Dark. K (Ed.), Religion and International Relations (Basingstoke: Macmillan, 2000), 1-2.

(47)سکاٹ۔ "مذہب اور بین الاقوامی تنازعہ"۔ ۲۹-۳۰۔

Scott. "Religion and International Conflict". 29-30.

(48)وویک ایس. شرما۔ "کیا چیز ایک تنازعہ کو 'مذہبی' بناتی ہے؟" قومی مفاد (20فروری 2018)۔

Vivek S. Sharma. "What Makes a Conflict 'Religious'?." National Interest (Feb. 20, 2018). Retrieved October 20, 2022, from https://nationalinterest.org/feature/what-makes-conflict-religious-24576?page=0%2C1

(49)جے. مانور۔ "تنظیمی کمزوری اور سنہالی بدھسٹ انتہا پسندی کا عروج۔" مارٹن آر. مارٹی اور آر سکاٹ ایپلبی (ایڈز) میں، اکاؤنٹنگ فار فنڈامینٹلزم: دی ڈائنامک کریکٹر آف موومنٹس (شکاگو اور لندن: دی یونیورسٹی آف شکاگو پریس، 1994)، 730۔

J. Manor. "Organizational Weakness and the Rise of Sinhalese Buddhist Extremism." In Martin R. Marty and R. Scott Appleby (Eds.), Accounting for Fundamentalisms:

The Dynamic Character of Movements (Chicago and London: The University of Chicago press, 1994), 730.

(50) ایم. جورجنز میئر۔ خدا کے دماغ میں دہشت: مذہبی تشدد کا عالمی عروج (برکلے: یونیورسٹی آف کیلیفورنیا پریس، 2000)، 145-161۔

M. Juergensmeyer. Terror in the Mind of God: The Global Rise of Religious Violence (Berkeley: University of California Press, 2000), 145-161.

(51) جائے. ایسپوزیٹو۔ ناپاک جنگ: اسلام کے نام پر دہشت گردی (آکسفورڈ: آکسفورڈ یونیورسٹی پریس، 2002)، 28۔

J. Esposito. Unholy War: Terror in the Name of Islam (Oxford: Oxford University Press, 2002), 28.

(52) مصدر سابق، ص ۲۹۔

Ibid, 29.

(53) این. اے. سینڈل، اور جے. فاکس۔ بین الاقوامی تعلقات کے نظریہ میں مذہب: تعاملات اور امکانات (لندن: روٹلیج اسٹڈیز ان ریلیجن اینڈ پولیٹکس، 2013)، 86۔

N. A. Sandal, and J. Fox. Religion in International Relations Theory: Interactions and Possibilities (London: Routledge Studies in Religion and Politics, 2013), 86.

(54) فاکس۔ مذہب، تہذیب اور خانہ جنگی، ص ۲۲۔

Fox. Religion, Civilization and Civil War, 22.